AL-HAYAT Research Journal
Jlali Research Institute of Social Science, Lahore
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print): 3006-4759
Volume 2 Issue 2 (Jan-Mar 2025)

جدید اُردو افسانے میں ایکو فیمینزم کی بازگشت- تحقیقی مطالعہ

The Resonance of Ecofeminism in Modern Urdu Short Stories — A Critical Study

Afia Saleem
M.Phil. Scholar NCBA& E Multan

Laj Batool
MPhil Scholar NCBA& E Multan

Muhammad Ayaz
MPhil Scholar NCBA& E Multan

Dr. Rafia Malik
Urdu Department NCBA& E Multan

Abstract

Modern Urdu fiction, in its intellectual and aesthetic orientation, incorporates themes that reveal the interrelation between human existence, ecological balance, social structures, and gender sensitivity. Within this framework, ecofeminism functions as a significant theoretical paradigm, illuminating the shared dimensions of oppression, exploitation, and structural domination experienced simultaneously by women and nature. The objective of this study is to analyze how contemporary Urdu short fiction embodies the foundational concepts of ecofeminism—such as patriarchal power dynamics, environmental degradation, the symbolic positioning of women, and the metaphorical significance of nature—within its narrative strategies, characterization, and thematic compositions. Through analytical and comparative close reading methods, the study demonstrates that ecological crises and gender inequalities are not merely scientific or sociological issues; rather, they constitute integral elements of literary discourse that contribute to the articulation of social justice, human–environment interdependence, and resistant consciousness. The findings reveal that modern Urdu fiction not only engages meaningfully with ecofeminist thought, but also transforms it into a potent mode of literary resistance aligned with struggles for environmental and gender justice.

Keywords: Modern Urdu Fiction, Ecological Crisis, Patriarchal Structures, Woman and Nature, Social Justice, Symbolic Narrative

ملخص:

جدید اُردو افسانہ اپنے فکری و جمالیاتی تناظر میں ایسے مباحث کو شامل کرتا ہے جو انسانی وجود، ماحولیاتی توازن، سماجی ڈھانچوں اور صنفی حساسیت کے باہمی ربط کو اجاگر کرتے ہیں۔ اسی تناظر میں ایکو فیمینزم بطور نظریاتی فریم ورک جدید اردو افسانے میں اس انداز سے جلوہ گر ہوتا ہے کہ عورت اور فطرت دونوں پر ڈھائے جانے والے جبر، استحصال اور ساختیاتی تسلط کے اشتراک کو نمایاں کرتا ہے۔ اس تحقیق کا مقصد یہ تجزیہ پیش کرنا ہے کہ جدید اردو افسانہ ایکو فیمینزم کے بنیادی تصورات — جیسے پدر شاہی طاقت کا مظہر، ماحولیاتی بگاڑ، عورت کی علامتی حیثیت اور فطرت کی استعاراتی معنویت — کو کس طرح اپنے بیانیہ، کردار سازی اور موضوعاتی تشکیل میں سمیٹتا ہے۔ تجزیاتی و تقابلی طریقہ کار کے ذریعے ان افسانوں کی قرأت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ماحولیاتی بحران اور صنفی

CC BY

امتیازات محض سائنسی یا سوشیولوجیکل مسائل نہیں، بلکہ ادبی تخلیق کے متن میں سماجی انصاف، انسان و ماحول کی باہمی وابستگی اور مزاحمتی شعور کی تشکیل کا حصہ ہیں۔ نتائج اس امر کی نشان دہی کرتے ہیں کہ جدید اردو افسانہ نہ صرف ایکو فیمینزم کی فکری روح کو قبول کرتا ہے بلکہ اسے ایک مضبوط ادبی احتجاج کے طور پر برتتا ہے جو سماجی و ماحولیاتی انصاف کی جدوجہد سے جڑا ہوا ہے۔

کلیدی الفاظ: جدید اردو افسانہ، ماحولیاتی بحران، پدر شاہی نظام، عورت و فطرت، سماجی انصاف، علامتی بیانیہ

تانیثیت (Feminism) آج جدید سماجیات کا اہم اور وسیع موضوع ہے جس نے صرف ادب ہی نہیں فکر و فلسفے کے تمام نظریات کو متاثر کیا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد صنعتی انقلاب سے پیدا شدہ حالات کے زیر اثر سماجی رشتوں کے نظریات میں تبدیلی اور خاندانی شیرازہ بندی کی شکست، روسو کی انفرادیت یا فرد کی آزادی کے افکار کے زیر اثر خیالات میں جو تبدیلیاں ہوئیں ان محرکات کے تحت انصاف، مساوات، فرد کی آزادی، ذات کی شناخت کے ساتھ ساتھ ''حقوق نسواں ''ایک اہم سوال بن کر منظر عام پر آیا۔ حقوق نسواں کا یہ سوال فرانس، امریکہ، برطانیہ اور ترقی یافتہ ممالک میں طویل جدوجہد کے بعد ''تانیثیت'' کی تحریک سے موسوم ہوئی۔

اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا منشور بھی تانیثی شعور کو فروغ دیتا ہے دوسری جنگ عظیم کے بعد UNO جیسی عالمی تنظیم کے قیام کا مقصد انسان دوستی، پر سکون محفوظ اور خوشحال زندگی گزارنے کا حق، نسلی امتیاز کا خاتمہ، امن، جنگ بندی اور مساوات کے علاوہ یہ نعرہ All Human's Rights are women's Right یعنی کسی معاشرے میں جتنے حقوق ایک مرد کو حاصل ہیں وہ عورت کو بھی حاصل ہیں ''تانیثیت'' عورتوں کے ان حقوق کے حصول بہتر مستقبل کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے احتجاجی صورتوں کو واضح کرتی ہے۔ مغربی تحریک تانیثیت سے ہندوستانی سماج اتنی شدت سے نہ سہی مگر مختلف ادوار میں خواہ وہ روشن خیال تانیثیتی فکر ہو یا انتہا پسند تانیثیتی خیالات، تحلیل نفسی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت تانیثیت کی فکری جہات اثر انداز ہوئے ہیں اور ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور فکر و خیال کی سطح پر ادب و سماج کو متاثر کیا ہے۔

ہندوستانی مذہب میں عورت کا بلند مقام ہے'' درگا''، ''طاقت''، '' سرسوتی''، ''علم'' اور'' لکشمی'' دولت کی شکل میں پوجی جاتی ہیں ان تینوں کی پوجا اور ساتھ کامیابی کی ضمانت ہیں عورت کی قوت اس کی عظمت اور پرستش دھرم کا لازمی جزو ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ عورتوں کا یہ مقام و مرتبہ نیم تاریخی، مذہبی دستاویز کا حصہ تو رہا ہے لیکن عمل اور معاشرتی زندگی میں عورتوں کا یہ مقام اور حقوق ختم کر دیئے گئے۔ بالخصوص ''منواسمرتی'' کے تحت عورت کو اپنے کنبے کے مرد کے ماتحت کر دیا گیا۔ ایک مرد چاہے وہ بد چلن اور بے وفا کیوں نہ ہو ایک وفادار بیوی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کی پرستش خدا کی مانند کرے۔ اگرچہ بدھ مذہب نے عورتوں کو آزادی اور برابری کے حقوق دیئے یہاں تک طوائفیں بھی بدھ مذہب اختیار کرتے ہوئے اس کی سمیتی میں حصہ لیتے ہوئے ''موکشہ'' حاصل کر سکتی تھیں۔ بدھ مذہب کے عورت کے حوالے سے یہ نظریات براہمزم کے خلاف احتجاج تھے۔ جہاں نچلی ذات والی لڑکیوں اور عورتوں کو ''ملا کا رام (Brest Tax) '' چھاتیوں کو ڈھانپنے کا ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔

> "یہ ٹیکس کیرالا کے قریب آزاد ریاست تراوکو (Travancore) جس کا حکمران براہمن خاندان میں سے تھا اس نے نچلی ذات کی عورتوں پر لاگو کیا تھا۔ ایک دن ریاستی ہرکارے کے ٹیکس کے مطالبے پر احتجاجاً اپنی چھاتیاں کاٹ کر اُس ہرکارے (ٹیکس مانگنے والے) کر دے دیتی ہے اور خود مر کر اس ٹیکس کی لعنت سے مکت ہو جاتی ہے۔ ملیا لم عورتیں آج بھی نانگلی اور اس کے شوہر جو اس کے ساتھ ہی آگ کی چتا میں کو د گیا تھا ہیرو مانتی ہیں نانگلی ہندوستانی تاریخ کی پہلی فیمنسٹ تھی جس نے اس تحریک کی بنیاد رکھی"۔(1)

مسلمانوں اور انگریزوں کی آمد کے بعد ہندوستانی سماج معاشی، تہذیبی و ثقافتی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور مہاتما گاندھی، سرسید احمد خان راجہ رام موہن رائے جیسے دانشوروں نے مغرب کی روشن خیالی اور سائنسی دنیا کی روشنی اپنے تہذیب و تمدن اور رجعت پرست معاشرہ کو تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ جدید ہندوستان میں حقوق نسواں کے علمبردار موہن رائے نے ''ستی'' کی رسم کے خلاف آواز بلند کی۔ وویکا نند نے کم عمر لڑکیوں کی شادی کی مخالفت کی ، مہاتما گاندھی نے کم عمری کی شادی کی مذہب کے ساتھ ساتھ ''دیو داسی'' کے نام پر عورتوں کی مذہبی طوائف کے طور پر جنسی استحصال کی سخت مخالفت کی گاندھی کی تحریک پر ہی ہندوستانی خواتین نے جنگ آزادی میں شمولیت اختیار کی 1921ء سے 1930ء تک سول نافرمانی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور گھر کی پابندیوں اور سماج کی بندشوں کا خاتمہ بھی ہوا اور اُن کے اندر شناخت کا شعور بیدار ہوا۔

> "اینی بیسنٹ اور سروجنی نائیڈو ہندوستانی تانیثی تحریک کی ترجمان تھیں اینی بلینٹ نے ہندوستانی سیاست میں حصہ لیا اور 1916ء میں مدراس سے ''بھارت جاگو'' کے نام سے تقریر میں عورتوں کو اپنی غلامی ختم کرنے کا کہا اور 1917ء میں ''مہیلا سنگھ'' کی بنیاد پڑی جس سے سیاسی بیداری اور جمہوری شعور کے فروغ کے سبب عورتوں نے اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لیے مثبت کوششیں کیں"۔ (2)

ہندوستان کی تقسیم کے بعد پاکستانی معاشرہ بھی پدری نظام کے زیر اثر رہا ہے۔غیرت کے نام پر قتل ، عورت کی خرید و فروخت، کم عمری کی شادی، ''وٹہ سٹہ''، ''سام'' اور ''ولوڑ'' کی رسمیں اس خطے میں عورتوں کے استحصال کی نمائندہ امثال ہیں۔رہی سہی کسر 1979ء میں جنرل ضیا الحق ''حدود آرڈیننس '' نے پوری کر دی اور عورتوں کو دوسری درجے کا شہری بنا دیا۔جس کے اثرات عہد حاضر میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔عورتوں کے برقعوں کے رنگ تو بدلتے رہے ہیں لیکن ان کی قسمت نہیں بدل سکی۔تاہم پاکستان میں بھی جدید تانیثیتی تحریک کے نظریات کے اثرات جن کے تحت خواتین اپنے بنیادی حقوق کے حصول کے لیے کوشاں ہیں۔

تانیثیتی نقطہ نظر کے مطابق ادب ایک اہم تہذیبی تخلیقی عمل ہے جو اپنے عہد کی فکری روش کی دستاویز ہوتا ہے جس سے قوانین کی سماجی ، سیاسی اور اقتصادی حیثیت کا علم ہوتا ہے بلکہ اس متن سے عورتوں کے ساتھ اس عہد کے سماجی برتاؤ کی عکاسی ہوتی ہے اس نقطہ نظر کے مطابق ہر وہ متن جس کی تخلیق کار کوئی عورت ہے اسکا مطالعہ لازمی ہے۔تانیثیتی مفکرین کے مطابق یہی وہ لائحہ عمل ہے جس کے ذریعے تانیثیتی تحریک اپنے سیاسی نصب العین کو حاصل کر سکتی ہے کیونکہ ادب سماج کا آئینہ دار ہے اور سماجی رویوں پر اپنا اثر قائم کرتا ہے۔اس تناظر میں تانیثیتی نقطہ نظر کے حامیوں پر ادبی تنقید میں سیاست کو شامل کرنے کے الزامات لگائے گئے لیکن یہ بات حقیقت ہے کہ تانیثیتی تحریک کی بدولت یہ اہم پہلو سامنے آیا ''نہ کوئی متن غیر جانبدار ہوتا ہے اور نہ کسی متن کا مطالعہ کرنے والا'' لاشعوری طور پر سب کسی نہ کسی سیاسی فکر سے متاثر ہوتے ہیں خواہ وہ متن کی تفہیم میں ادب برائے ادب ، ادب برائے زندگی یا خالص جمالیاتی تجزیے ہی کیوں نہ ہوں۔

> "اُردو ادب میں بھی ابتدائی اور بیشتر ادبی تحریریں مرد کرداروں کے مقابلے میں عورت کا کردار نصف بہتر کی بجائے ''کہتر'' کے نمونے پیش کرتا ہے۔اس لیے اس رویے کی مزاحمت کی خاطر ایک ایسے نقطہ نظر کی شدید ضرورت محسوس کی گئی جو جنسی عدم توازن اور افراط و تفریط کو نشان زد کرتے ہوئے قدیم و جدید ادب کی قرات ثانی پر زور دے سکے (3) ۔"

جدید تانیثی شعور کے حوالے سے اُردو افسانے میں مزاحمت کی نئی جہت ایکو فیمینزم ہے۔Eco-feminism کی اصطلاح 1970ء کے اواخر اور 1980ء کی ابتداء میں متعارف ہوئی۔یہ ایک ایسا نقطہ نظر ہے جو فطرت کے استحصال اور اس پر روا رکھے جانے والے ظلم و استبداد کے درمیان تعلق کا جائزہ لیتا ہے۔اس میں خواتین اور فطرت پر ڈھائے جانے والے جو روستم کا لسانی تعلق کے حوالے سے بھی مطالعہ کیا جاتا ہے کہ ان کے لئے جنسی تعصب زدہ زبان استعمال کی جاتی ہے۔جس میں عورتوں، جانوروں اور زمین کے لئے ایسی زبان استعمال کی جاتی ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ یہ حقیر ہیں۔اس مرد کے معاشرے میں اور مردوں کے ہی بنائے ہوئے کلچر میں! اس کلچر میں عورتوں سے جانوروں جیسا سلوک کرتے ہوئے اُن کے کمتر ہونے کا جواز پیش کیا جاتا ہے اور اپنے غلبے اور استحصال کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔

Eco-feminist سمجھتے ہیں کہ عورتوں پر مردوں کی حکمرانی اور ماحول کی تباہی دونوں کا آپس میں بڑا قریبی تعلق ہے۔وہ یہ تجزیہ بھی کرتے ہیں کہ بالکل عورتوں کی طرح زمین کو بھی معصوم و نازک نسائی وجود تصور کیا جاتا ہے جو استحصال کے لئے انہی کی طرح بہت زرخیز ہے۔ان کا دعویٰ ہے کہ استحصال کسی بھی ہو اور امتیاز کسی سے بھی برتا جائے اس کا تعلق Eco-feminism سے بنتا ہے۔

> "وہ صنفی، نسلی، طبقاتی اور سامراجی استحصال کے خلاف بھی احتجاج کرتے ہیں۔وہ ثنائی تقسیم مثلاً میں/تو، کلچر/نیچر، مرد/عورت، انسان/جانور اور گورا/کالا کے بھی سخت خلاف ہیں۔لیکن سب سے بڑھ کر وہ عورت کی بری حالت کو دنیا کے سامنے پیش کرنے اور اس کے حقوق کو منوانے کے قائل ہیں کیوں کہ ان کا ماننا ہے کہ مرد کے نزدیک عورت کی حیثیت ایک Object سے زیادہ کچھ نہیں"۔(4)

اُردو تانیثیتی افسانہ عورت کی ذات، تجربات، سماجی مقام، طاقت کے ڈھانچوں اور جبر کی صورتوں کو ادبی سطح پر بیان کرتا ہے۔دوسری جانب ایکو فیمینزم کے تحت عورت اور فطرت کے باہمی رشتے کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ پدر شاہی نظام فطرت اور عورت دونوں پر یکساں استبدادی کنٹرول قائم کرتا ہے۔اس نظریے کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ عورت کی محکومی اور ماحول کے تباہی کے اسباب مشترک ہیں۔اُردو تانیثیتی افسانے میں جب خواتین کی جدوجہد، اُن کی نفسیات اور اُن کی شناخت فطرت، زمین، پانی، درختوں، موسموں اور ماحول سے جڑ کر سامنے آتی ہے تو وہاں اُردو افسانے میں ایکو فیمینزم کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

مرد تخلیق کاروں کی نسبت خواتین افسانہ نگاروں کے ہاں ''ماحولیاتی مادریت'' کا موضوع صرف احتجاج تک محدود نہیں رہتا بلکہ ماحولیاتی مادریت کے احساس کی ایسی تصویر ملتی ہے جو حقیقت پسندانہ اور سماجی تفکرات سے لبریز ہے۔ان افسانہ نگاروں میں سبین علی (کتن والی) سلمیٰ جیلانی (عشق پیچاں)، ترنم ریاض (مجسمہ) عینی علی (کنول پوش تاجر) غزال ضیغم (شکنتلا) ڈاکٹر کوثر جمال (اہتمام) عذرا نقوی (بوگن ویلیا کی اوٹ سے) نگار عظیم (ایکوریم) سیمیں دورانی (وجود) ڈاکٹر ناہید اختر (ماں، پیڑا اور چھاؤں) شہناز یوسف (نیم کا پیڑ) صادقہ نواب سحر (جنت) نسترن احسن فتیحی (نسل) کہانیوں میں کارپوریٹ سماج میں صنعتی ترقی کے نام پر انسانوں کا فطرت کو مسخر کرنے کے سیاق کو ابھار کر احتجاج و مزاحمت کی ایک نئی لے رقم کی گئی ہے۔یہ افسانے عالم کاری کے دباؤ اور انتشار کو پیش کرتے ہوئے انسانی سروکار کے تئیں گہری درد مندی اور موجودہ سماجی رویوں کے خلاف احتجاج کی شکل میں ابھرتے ہیں۔

سین علی کے افسانے ''کتن والی'' میں اربنائزیشن اور تیزی سے بڑھتی ہوئی صنعتی ترقی نے چھوٹی اور گھریلو صنعتوں کی تباہی ہنرمندوں کے نتیجے میں بالخصوص عورتوں پر اس کے اثرات کو موضوع بنایا ہے۔شہر کاری نے اُن دستکاریوں کو یا تو نگل لیا ہے یا اُن کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا ہے ان کے ہنر کی بے قدری، غربت اور علاج کے مسائل، حکومتوں اداروں کی نا اہلی اور عدم توجہ کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔

"پرانی راج باہ کے ساتھ جولاہوں کی جھگی کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا تھا۔ کھڈی کے لیے کھودی جگہ برابر تھی جس پر تازہ گھاس اگا دی گئی تھی مختلف کیاروں میں موسمی پھول اپنی اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ نہر کنارے ساری گرین بیلٹ دیکھنے والوں کو بہت خوب صورت نظارہ دے رہی تھی۔ جہاں کبھی جھگی ہوا کرتی تھی اس جگہ کسی ریسٹورنٹ کے مونو گرام والا سیمنٹ کا بینچ نصب تھا۔ عاصمہ نے حیران ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی عینک اتار کر شیشے فلالین کے نرم رومال سے صاف کیے پھر دوبارہ عینک لگا کر گہری نظر سے ادھر اُدھر دیکھا اور لڑکھڑا کر بینچ پر بیٹھ گئی۔ "وے سائیں تیرے چرخے نے آج کت لیا کتن والی نوں"۔(5)

سلمیٰ جیلانی کا افسانہ ''عشق پیچاں'' ماحولیاتی مادریت کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ایک کچرا اکٹھا کرنے والی عورت کو بطور استعارہ پیش کیا گیا ہے جو بیکار اشیا کو ری سائیکلنگ کے ذریعے کار آمد بنا دیتی ہے اُسی کچرے کے ڈھیر پر پڑے بچے جو خدا کی کار آمد مخلوق ہے اُس کی مامتا کیونکر بے کار جانے دیتی۔کچرے کے ڈھیر پر پڑے بچے اور ایک عورت کی سوچ جس فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ وہ عہد حاضر کی آئرنی (Irony) کو پیش کرتا ہے۔نسترن احسن فتیحی کے افسانے ''نسل'' میں حکومتوں کی سرکاری پالیسوں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے اُن پالیسیوں کی وجہ سے قبائلی آبادی کا رشتہ جنگل سے کٹتا جا رہا ہے لکڑی کی عدم دستیابی اور ارباب اختیار کے شکار کے چونچلوں نے جنگلی حیات کی زندگی بھی خطرے میں ڈال دی ہے جس کی وجہ سے ایک پوری تہذیب خطرے میں ہے۔

"پام کا درخت۔۔۔ بمع عشق پیچاں کی بیل کے زمین پر اوندھا پڑا تھا۔۔۔ تناپیچ میں سے ٹوٹ چکا تھا صاف ظاہر تھا کہ بیل کا بوجھ نہ سہار سکا اور زمین پر آرہا تھا۔ کوئی ایک ماہ بعد کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے پام کے ٹنڈ منڈ تنے پر نظر جماتے ہوئے میں نے اداسی سے سوچا "بے چارہ۔۔۔ اس کی جڑیں اب بھی زمین چھوڑنے کو تیار نہیں۔۔ اسے معلوم ہی نہیں کہ اس میں اب کبھی شاخیں نہیں پھوٹیں گی، کیا درخت بھی خود کو دھوکہ دیتے ہیں؟ میں نے خود سے سوال کیا۔۔۔ جواب۔۔ اندر۔۔۔ بالکل خاموشی تھی۔۔ ایک اور بم دھماکہ۔۔۔ پاکستانی چینل پر خبر آرہی تھی۔۔۔ میرے کچھ سمجھ میں نہ آیا، سامنے میز پر پڑا ریموٹ اٹھایا اور چینل بدل دیا"۔(6)

انجم قدوائی کا افسانہ ''صدیوں نے سزا پائی'' فطرت اور عورت کے گہرے تعلق کا مظہر ہے افسانہ نگار نے یوکلپٹس کے درخت کو ایک جیتے جاگتے کردار کے روپ میں مرکزی کردار کے طور پر پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کی زندگی میں ماحولیات کی کیا اہمیت ہے۔

نسترن احسن فتیحی کا افسانہ "نسل" آج حکومت کی نت نئی سرکاری پالیسیوں پر ایک تنقید ہے۔ حکومت کی نت نئی سرکاری پالیسیوں کی وجہ سے قبائلی آبادی کا رشتہ جنگل سے کٹتا جا رہا ہے۔ لکڑی کی عدم دستیابی قبائلی غریب گھرانوں کے لوگوں میں کم غذائیت سے بھرپور خوراک میں منتقل ہو رہی ہے۔ نتیجتاً آدھا پکا ہوا کھانا کھانے پر وہ مجبور ہیں۔اس کی پوری تصویر نسل کشی میں ملتی ہے۔اس کہانی میں نسترن احسن فتیحی نے Project tiger پروجیکٹ ٹائیگر کو منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔اس افسانے میں قبائلی زندگی اور فطرت سے ان کے رشتے کو بخوبی پیش کیا گیا ہے۔ا فسانے کی کئی پرتیں ہیں،اس افسانے کی ایک پرت ایکو فیمینزم کی ہے جہاں شکاریوں کے ذریعے ماحول کی تباہی کا اظہار ہے۔

"کیا کرے گی سن کر۔۔۔ وہی شیر جو مر گیا ہے نا اس کی نسل بچانے آئے ہیں۔ شیرنی گابھن ہے تجھے معلوم ہے سبھاش بابو بات کر رہے تھے کہ اس کے ایک بچے کی قیمت سات لاکھ (روپیہ) ہو گی۔ اگر کوئی چڑیا گھر والا اس کو پوسنے (پرورش) کے لئے لے جائیگا تو سرکار اس کو سات لاکھ روپیہ دیگا۔ سات لاکھ؟ باپ رے۔۔ سات لاکھ سمجھنے کے لیے تو ہمیں سات جنم لینے پڑیں گے۔ ہم تو جانوروں سے بھی بُرا بھاگ لے کر آئے ہیں رے جدنی"۔ مارے غم کے اس کی آنکھوں کے کونے بھیگنے لگے۔ ہاں! جانتی ہے ہم تو تو بتا بھی نہیں سکتے کہ یہ ہمرا تیسرا بچہ ہے۔ کاہے۔۔۔ سبھاش بابو نے منع کیا ہے بتانے سے۔۔۔ کہہ رہے تھے کہ قانون بن گیا ہے کہ جس گھر میں تیسرا بچہ جنمے گا اس کو نہ سرکاری کام ملے گا نہ کوئی اور سہولت، نہ دوائی، نہ ڈاکٹر۔" صدمے اور حیرانی سے مہوا گنگ رہ گئی"۔(7)

افسانے کی دوسری پرت میں متن کی علامتی تفہیم کھل کر سامنے آتی ہے جہاں دنیا ایک جنگل ہے شیر طاقت کا استعارہ اور محکوم طبقات طاقت کے سامنے مجبور و محکوم ہیں زبان بندی کا شکار ہیں جہاں وہ یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ وہ کمسن عوت تیسری بار زچگی کے عمل سے گزرنے والی ہے۔ جہاں عام عوام کی شناخت و حیثیت بے معنی۔

خواتین افسانہ نگار عصری تقاضوں کے تناظر میں نئے نئے موضوعات پر قلم اٹھا رہی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اہم نام سیدہ نکہت فاروق کا بھی ہے،ان کا افسانہ "گاشی" اپنے خوبصورت ڈکشن اور منفرد بیانیہ کی وجہ سے معنی و مفہوم کی ایک ایسی دنیا سے روشناس کراتا ہے جہاں روشنی، آفتاب، سورج، اماوس، ست رنگی کشکول جیسے الفاظ کے استعمال سے افسانے کی فضا اور کردار کے احساسات کی ایسی عکاسی ہوئی ہے۔ یہ منفرد بیانیہ ماحولیات سے تانیثیتی فکر کی گہری رغبت کی گواہی دیتا ہے۔

"زمین کی گردش آسمان کو اپنا سیاہ چولا اتار کر اجلی قبا پہننے پر مجبور کرتی ہے اور تب سورج کالے دیو کے چنگل سے آزادی حاصل کر کے دن کا اعلان کرتا ہے لیکن وقت کی لمبی لمبی کروٹوں کے باوجود بھی اندھی گاشی کی پیشانی پر خوشی نصیبی کا تارا نہیں چمکا۔ اس کے من کا پنچھی ہوا کے جھونکے کی آہٹ پر پھڑ پھڑانے لگتا اور اس کے چاروں طرف پھیلے اندھیرے ناگ بن کر اسے ڈسنے لگتے۔ یہاں تک کہ اس کا شریر نیلا ہو جاتا"۔(8)

غزال ضیغم کے افسانے شکنتلا ہو یا کنول کے پھولوں والا تالاب۔ ان افسانوں میں آم کے درخت ہوں، یا سیمل کے پیڑ، چچی کی بوڑھی آنکھیں، سبزیوں، پتوں اور پھلوں کا ذکر یا تالاب کے سنگھاڑوں کا ذکر، یا ابا کی چھوڑی ہوئی ریہو مچھلیاں یا راج ہنس، یا چھوٹی بطخیں، دیوان خانے میں سجی بندوقیں اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ ان افسانوں کے بیانیہ کے مختلف زاویوں اور طرفوں میں ربط پیدا کرتے ہیں۔ ان آر کی علاموں کے ذریعے غزال ضیغم نے یوپی کی سماجی و ثقافتی روایات کو اور یوپی کے فارغ البال گھرانوں کے افراد کی امنگوں اور ارادوں، خواہشوں اور محرومیوں کو تمام تر فنکارانہ مہارتوں اور تاریخی بصیرتوں کے ساتھ افسانے کے مرکزی کردار کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

"تالاب کے کنارے سے گزرا تو یکایک مجھے نیلی آبی کی یاد آگئی۔ یہ راج ہنس تھے جن کو ابا نے بڑے جتن سے پالا تھا۔ تالاب کی رونق تھے۔ چھوٹی بطخیں بھی تھیں۔ جو قطار بنا کر شفاف پانی میں مزے سے تیرتی رہتیں تھیں۔ نیلی آبی کی صراحی دار گردن تھی اور چال میں غضب کا بانکپن چلتی تھیں تو لگتا تھا دھرتی ڈول رہی ہے۔ مور ناچ رہا ہے ان کے شفاف سفید پنکھ اجلے فرشتوں سے چمکتے تھے روز صبح سویرے وہ تالاب کا رخ کرتیں اور شام ہوتے ہی گھر لوٹ آتیں"۔(9)

شاہین کاظمی کی تحریروں کی انفرادیت ان کا مزاحمتی انداز بیان تو ہے ہی، ساتھ ہی ان کی تحریر بیانیہ اور علامت کی حسن کاری سے متشکل ہوتی ہے وہ اپنے بیانیہ میں علامتی رنگ ایسے شامل کر دیتی ہیں کہ تلخ سے تلخ لب و لہجہ قابل قبول ہو جاتا ہے اور وہ معاشرے کے جبر کا پردہ فاش کرتی چلی جاتی ہیں۔ ان کا افسانہ برف کی عورت ہو یا سیندھ، پوسپائی ہو یا وہ رویا کیوں نہیں۔ قاری کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ شاہین کاظمی اپنے افسانوی متن میں استعارہ مجاز و علامت کا استعمال رکھنا جانتی ہیں، انکے کثیر الجہت معنوی متن میں فنی بالیدگی نظر آتی ہے۔

"ہم لڑیں گے ماں آخری دم تک لڑیں گے، ماجد کی آواز سن کر بوڑھے نیلگوں سمندروں میں جوار بھاٹا اٹھنے لگا، ماجد جانتا تھا ان نئے بدیسی بھیڑیوں سے لڑنا آسان نہ ہوگا، جبکہ دھرتی کے سینے پر روبل کی تال پر رقص کرتے سوروں کے لگائے زخم ابھی تازہ تھے، سوروں کو دھرتی سے باہر ہانک تو دیا گیا تھا لیکن امن واپس نہ آسکا، چاند ابھرا تو نئے بھیڑیئے گھپاؤں سے باہر نکل آئے، ان کے لے پالک نے جب ڈوریاں توڑ کر اپنے آزادانہ رقص کا آغاز کیا تو نائیکہ کی تیوری چڑھ گئی، اُس کی نظروں کا زاویہ بدلا تو وہی لے پالک جو بہت چنیدہ تھے نظروں سے گر گئے لیکن انہیں بھی پرواکب تھی، انہوں نے نئی تال چنی اور دھمال شروع ہو گیا، بندوق کے سائے میں ابھرتے نغموں میں سوز اُمڈ آیا، لہولہان دھرتی دم بخود تھی ہر طرف بہنے والا خون اپنا تھا"۔(10)

سیمیں درانی ایک ایسا نام ہے جو نئی صدی کی عورت کا بالکل نیا خاکہ اُردو ادب کے صفحات پر مرتب کر رہی ہیں۔ اپنے بے باک انداز بیان اور تلخ سے تلخ سچائی کو فنی مہارت سے افسانے کے پیرایئے میں ڈھالنے کا فن انہیں خوب آتا ہے، وہ سفید اور سیاہ، اچھائی اور برائی کو بالکل الگ کر کے دکھانے کا فن جانتی ہیں اور زبان کا تخلیقی اور موزوں استعمال معاشرے کے ہر رنگ کو جھلا جھلک دکھانے پر قدرت رکھتا ہے۔ ان کے افسانوں کا اہم وصف عورت اور زمین کے استعارے میں مردانہ معاشرے میں استحصال کو اجاگر کیا گیا ہے۔

"خالی پن اس کی ذات میں اتنا بھر چکا تھا کہ اس کی نس نس چیخ رہی تھی۔۔۔ وہ اپنی خاموشی کے ذریعے اپنے خالی پن کو چُپ کروانے کی کوشش کرتی۔ یہ اس کے وجود کا وہ حصہ تھا کہ اگر باہر ابل پڑتا تو اتنا تعفن پیدا ہوتا کہ شاید کوئی سونا ہی بھی اس کو نہ مٹا پاتا۔۔۔ زیتون کا قصور اور جرم صرف یہ تھا کہ اس کو عورت تخلیق کیا گیا تھا۔۔ وہ سوچتی، عورت بولے تو زبان دراز۔۔۔ نہ بولے نہ گھنی و کم عقل، عقل استعمال کرے تو حرافہ اور اگر چالاکی سے کام لے تو ڈائن۔۔۔ اور ان الفاظ کا مذکر تو ڈھونڈنے سے نہیں ملتا"۔(11)

ایکو فیمینزم کے حوالے سے ایک اہم نام عذرا نقوی کا ہے۔ ان کی نظمیں "دھنک رنگ"، "خواب جنگل"، "ہار سنگھار"، "ساون"، "ملبے کی کہانی" کے علاوہ ان کا افسانہ بوگن ویلیا کی اوٹ سے اپنی زمین سے جڑت کا گہرا احساس رکھتے ہیں اور مادر وطن کی کشش اور اپنی تہذیب سے علیحدگی کی کسک اور اپنی مٹی، اپنی زمین سے محبت ان کا خاص موضوع ہے۔ افسانہ "بوگن ویلیا کی اوٹ سے" سادہ بیانیہ میں ایک ایسی سنجیدہ اور فکر انگیز صورت حال کی طرف اشارہ کرتا ہے جو آج گلوبلائیزیشن کا ایک اہم مسئلہ بن کر ابھرا ہے۔

ہمارے عہد کا سنگین مسئلہ ماحولیات کی بربادی اور اس سے پیدا ہونے والے تباہ کن نتائج ہیں مذکورہ افسانے اور افسانہ نگار عالم کاری کے دباؤ اور انتشار کارپوریٹ سماج اور انسانی سروکار کے تئیں اپنے ماحول کے استحصال کے خلاف موجودہ سماجی رویوں کے تناظر میں احتجاج کی صورت سامنے آتے ہیں۔

اکیسویں صدی کے بدلتے ہوئے سماج نے بدلتی ہوئی تہذیب اقتصادی و معاشرتی صورتحال نے خواتین تخلیق کاروں کو بھی نئی فکر اور شعور سے روشناس کرایا ہے۔"آج میرا جسم میری مرضی کے نعرے" پدرانہ بیانیوں کو چیلنج کرتے ہیں۔ عورت اب صرف جنس و جذبات تک محدود نہیں نا ہی گڑیا ہے بلکہ حیات و معاشرت کا ایک ایسا ستون ہے جس پر پوری کائنات ٹکی ہوئی ہے۔

ماضی کی عورت کی طرح فنا (مستی) میں عزت و افتخار محسوس کرنے کی بجائے "بقا" کے سفر کی طرف مصر اور کوشاں ہیں خود کشی، خود سوزی کی بجائے معاشرہ کے تئیں سپردگی اور وابستگی پر یقین رکھتی ہیں جسم کی نزاکتوں کا سودا کرنے کی بجائے اپنی محنت صلاحیت فکری شعور اور ذہنی صلاحیتوں کی قیمت مانگتی ہیں۔ اپنی

محنت، لیاقت، قابلیت سے، سیاست، معاشرت اور دنیا میں پھیلے ہوئے بازار کے خلاف ان استحصالی قوتوں کے خلاف احتجاج کر رہی ہیں یہ افسانہ نگار بیدار مغز اور آج کی تیز رفتار زندگی اور عالمی منظر نامے سے واقف ہیں ۔آج ماحولیات اور فطرت کی تباہ کاری ہماری اولین فکر بن چکی ہے یہ افسانے عالم کاری کے دباؤ اور انتشار کو کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ یہ کہانیاں ماحولیات کے متعلق انسانی سروکار سے گہری درد مندی اور موجودہ سماجی رویوں کے خلاف پر زور احتجاج کی شکل میں اُبھر کر سامنے آتی ہیں۔ان کی تخلیقات میں گہری تانیثیتی بصیرت پائی جاتی ہے جو اُردو افسانے کو ثروت مند بنا رہی ہے۔

حوالہ جات

1۔ Griffin, Susan, Women and Nature: The Roaring Inside Her, (New York: 1978), P, 178

2۔ قاضی عابد،ڈاکٹر،اُردو ادب اور تانیثیت،(اسلام آباد: پورب اکادمی،2018ء)،ص8

3۔ عصمت جمیل،ڈاکٹر،نسائی شعور کی تاریخ اُردو افسانہ اور عورت،(اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،2012ء)،ص69

4۔ King, Ynestra, The ecofeminist Perspective, in Caledecott, L & S. Leland (eds), Reclaiming the Earth: Women speak out for life on Earth: (London: The women's Press, 1983), P, 11

5۔ سبین علی،کتن والی،مشمولہ:ایکو فیمینزم اور عصری تانیثی اُردو افسانہ،نسترن احسن فتیحی،(لاہور:عکس پبلی کیشنز،2023ء)،ص140

6۔ سلمیٰ جیلانی،عشق پیچاں،مشمولہ:ایکو فیمینزم اور عصری تانیثی اُردو افسانہ،نسترن احسن فتیحی،(لاہور:عکس پبلی کیشنز،2023ء)،ص145

7۔ نسترن احسن فتیحی،نسل،مشمولہ:ایکو فیمینزم اور عصری تانیثی اُردو افسانہ،(لاہور:عکس پبلی کیشنز،2023ء)،ص172

8۔ نکہت فاروق،گاشی،مشمولہ:ایکو فیمینزم اور عصری تانیثی اُردو افسانہ،نسترن احسن فتیحی،(لاہور:عکس پبلی کیشنز،2023ء)،ص193

9۔ غزال ضیغم،تعمیر نو،مشمولہ:ایکو فیمینزم اور عصری تانیثی اُردو افسانہ،نسترن احسن فتیحی،(لاہور:عکس پبلی کیشنز،2023ء)،ص216

10۔ شاہین کاظمی،پانچواں موسم،مشمولہ:ایکو فیمینزم اور عصری تانیثی اُردو افسانہ،نسترن احسن فتیحی،(لاہور:عکس پبلی کیشنز،2023ء)،ص235

11۔ سیمی درانی،وجود،مشمولہ:ایکو فیمینزم اور عصری تانیثی اُردو افسانہ،نسترن احسن فتیحی،(لاہور:عکس پبلی کیشنز،2023ء)،ص